یہ بتانہ دیا جاتا کہ مصر کے پرانے کھنڈروں سے پانچ چھ ہزار سال پیشتر کے جو کاغذات برآمد ہوئے ہیں ان ہی سے یہ فقرے نقل کئے گئے ہیں تو میں یقین کرتا ہوں کہ پڑھنے والے شاید یہی سمجھتے کہ شیخ سعدی یا ملا حسین واعظ کاشفی یا عطار و سنائی وغیرہ مسلمانوں کے بعض بزرگوں کی کتابوں سے یہ چیزیں نقل کی گئی ہیں اب امتحان لے کر دیکھئے یہ بتائے بغیر کہ ان کی اصل کیا ہے کسی کو سنائیے اور پوچھئے کہ یہ کس کا کلام ہو سکتا ہے؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سننے کے ساتھ کہنے والے یہی کہیں گے مسلمانوں کے کسی عالم یا صوفی کے یہ اقوال ہیں یہی نہیں بلکہ عہد فراعنہ کی مصری تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ہزارہا سال پیشتر تو ان کے دین کی وہی نوعیت تھی جس کا پتہ مذکورہ بالا فقروں کے مضامین سے چلتا ہے لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھتے چلے گئے تو ایک طرف ان کا تعمیری ذوق، عام علوم و فنون میں انہماک بھی اسی نسبت سے بڑھتا چلا گیا طب اور ادویہ کی تحقیق میں اس حد تک وہ پہنچ گئے تھے کہ موت تو ان کے بس کی بات نہ تھی لیکن مرنے کے بعد سڑنے اور گلنے سے لاشوں کو بچا لینے میں وہ کامیاب ہو چکے تھے، پتھر، لکڑی اور مختلف قسم کی دھاتوں سے انسانوں اور حیوانوں کی مورتیوں کے تراشنے میں ان کی چابکدستیاں آج بھی دنیا کو ششدر بنائے ہوئے ہیں فوجی قوت میں ترقی کے اس نقطے تک پہنچ چکے تھے کہ اس زمانے میں دنیا کا جو قابل لحاظ حصہ تھا، اس کو وہ فتح کر چکے تھے، انطرن زکری نے لکھا ہے۔

"کشور کشائی میں ان کا دائرہ اس حد تک وسیع ہو چکا تھا کہ ایک طرف شام و لبنان میں ان کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور دوسری طرف فرات کے مشرقی ساحل تک گھستے ہوئے چلے گئے، شمال میں فلسطین تک اور جنوب میں سوڈان تک ان کے مقبوضات

میں شریک ہو چکا تھا"

الفرن نے اسی کے بعد لکھا ہے

وَھٰذِہٖ اشھر بلاد العالم التی کانت　　اس زمانے میں یہی علاقے دنیا کے مشہور

معروفۃ فی ذلک الزمان　صـ۴۳　　مقامات تھے۔

مگر جہاں یہ سب کچھ ہو رہا تھا وہی دوسری طرف بتدریج لڑھکتے لڑھکتے اور ڈھلکتے ہوئے مصر کے بھی باشندے آخر میں زندگی کے جس دینی قالب پر اصرار کرنے لگے اس کی تصویر الفرن ہی نے ان الفاظ میں کھینچی ہے یہ لکھنے کے بعد کہ

"فراعنہ کی حکومت کے آخری دور میں اس زمانے تک جب رومانیوں نے مصر کو اپنے امپائر میں شریک کر لیا تھا"

یہ حالت ہو گئی تھی کہ

"پرندوں اور مچھلیوں، سانپوں، مگرمچھوں، ملّوں، بلیوں، کتوں اور مینڈھوں تک کو وہ پوج رہے تھے۔

وہی لکھتے ہیں کہ

"اپنے ان مقدس معبودوں کی تحنیط کرتے (یعنی جن دواؤں کی وجہ سے لاش نہیں سڑتی تھی ان ہی کو بھر کر ممی بناتے تھے)، اور بڑے تزک و احتشام سے ان دیوتاؤں کو وہ دفن کرتے تھے"۔ صـ۱۵۲

(باقی آئندہ)

ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائل

(از جناب مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب واصف دہلی)

(۲)

لوہارو لوہارو کی چھوٹی سی نیم مختار ریاست پنجاب کے گوشہ جنوب مشرق میں واقع ہے صاحب کمشنر دہلی اس کے پولیٹیکل ایجنٹ ہیں لارڈ لیک نے نواب احمد بخش خاں کو ۱۸۰۶ء میں جو سند عطا کی تھی اس کی رو سے یہ ریاست بطور دوام نواب صاحب کے خاندان کو اس شرط پر عطا ہوئی کہ عند الطلب سرکار کو دو سو سوار دیں۔ ان کو اپنی رعایا پر دیوانی و فوجداری کے کامل اختیارات حاصل ہیں۔ مگر سزائے موت کے لئے صاحب کمشنر دہلی کا متفق ہونا ضروری ہے۔ اس ریاست کا رقبہ دو سو اسی (۲۸۰) میل مربع ہے۔ آبادی ۲۰ ہزار کے قریب ہے آمدنی تقریباً ۶۵ ہزار روپیہ سالانہ ہے یہ ریاست تھوڑی سی فوج بھی رکھتی ہے اس کی ایک حد پر بیکانیر اور جیپور کی ریاستیں ہیں اور دوسری سرحد پر جیند اور حصار ہیں۔ لوہارو کا قریبی اسٹیشن بھوانی ہے جو اس سے ۳۵ میل کے فاصلے پر ریواڑی فیروز پور لائن پر واقع ہے۔

اس ریاست کو ۲ عدد توپ کی اجازت ہے نواب کی[۱] ذاتی سلامی ۹ ضرب توپ سے دی جاتی ہے۔ نواب شمس الدین احمد خاں کے بعد ریاست لوہارو نواب امین الدین خاں کے سپرد کی گئی ۱۲۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا اور مہرولی میں درگاہ حضرت خواجہ

[۱] ترجمہ پنجاب چیفس

قطب الدین بختیار کاکی کے قریب جو نواب علاءالدین کی ٹہرداڑ ہے جس کو اب صندل خانہ کہتے ہیں اس میں دفن کیے گئے (اسی جگہ اب استاد مرحوم حضرت سائل کا مزار ہے)

نواب امین الدین احمد خاں کے بعد ان کے صاحبزادے نواب علاءالدین احمد خاں علائی جانشین ہوئے ان کا انتقال ۱۸۸۴ء میں ہوا تو ان کے صاحبزادے نواب سر امیر الدین احمد خاں عرف فرخ مرزا جانشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے نواب اعز الدین احمد خاں عرف اعظم مرزا جانشین ہوئے۔ اور اب اعظم مرزا کے صاحبزادے نواب امین الدین احمد خاں ثانی موجودہ آخری زمانہ والئے لوہارو ہیں۔

۱۹۴۵ء کے چھٹے کی رو سے ریاست لوہارو کی آمدنی ساڑھے چار لاکھ روپے ہوتی ہے۔[1]

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا۔ تو قومی حکومت نے ریاستوں کو توڑ کر بعض ریاستوں کو صوبوں میں شامل کر دیا اور بعض ریاستوں کی یونین بنا دی۔ یہ ریاست بھی اسی ضمن میں ختم ہو گئی۔

نواب امین الدین احمد خاں اور ان کے فرزند نواب علاءالدین احمد خاں۔ نواب ضیاءالدین احمد خاں اور ان کے فرزند نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب (جد حضرت سائل) سے مرزا غالب کے نہایت خوشگوار اور دوستانہ تعلقات تھے علاءالدین احمد خاں علائی تخلص کرتے تھے۔ ضیاءالدین احمد خاں اردو میں رخشاں اور فارسی میں نیر تخلص کرتے تھے یہ دونوں بھائی مرزا غالب کے شاگرد خاص تھے۔ مرزا غالب کے خطوط کا بیشتر حصہ ان حضرات کے ناموں سے بھرا ہوا ہے علائی کا ذکر ایک مروجہ شعر میں بھی موجود ہے

[1] تاریخ رؤسائے پنجاب [2] مولانا اطہر ہاپوڑی بروایت نواب جلال الدین احمد خاں بن نواب اعز الدین احمد خاں مرحوم والی لوہارو

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی   ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

نواب ضیاء الدین احمد خاں | مرزا غالب سے تلمذ رکھتے تھے اور ان کے خلیفۂ اول تھے۔ نواب صاحب موصوف کی شادی اپنی چچازاد بہن سے ہوئی تھی۔ جن کا نام تھا حاجی بیگم بنت قدرت اللہ بیگ فیروز بن شرف الدولہ قاسم جان۔ حاجی بیگم کا انتقال ۱۳۱۲ھ میں ہوا۔ مہرولی میں اسی صندل خانہ میں مدفون ہیں جہاں حضرت سائل اور نواب ضیاء الدین احمد خاں اور نواب امین الدین احمد خاں مدفون ہیں۔ نواب صاحب موصوف رؤسائے شاہجہان آباد میں نہایت ذی اقتدار اور بارسوخ اعلیٰ درجے کے سخن فہم سخن سنج اور تاریخی معلومات کا سرچشمہ مانے جاتے تھے۔ بڑے غیور اور پابند وضع رئیس تھے۔ نظم نثر کمال شاعری و انشاء پردازی کے تاریخ، جغرافیہ، علم انساب، علم اسماء رجال، تحقیق لغات اور جنرل انفورمیشن (معلومات عامہ) میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اگرچہ انھوں نے فنون مذکورہ میں کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی لیکن اکثر مصنفین ان سے مدد لیتے تھے اور جو مشکل پیش آتی تھی اس میں ان سے مشورہ لیتے تھے خصوصاً ایلیٹ صاحب نے جو ہندوستان کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی ہے اس کی تالیف و ترتیب میں نواب ممدوح نے بے انتہا مدد پہنچائی تھی جس کا مصنف نے اپنی کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے۔[1]

نواب صاحب کی عمر اس وقت ۷ برس کی تھی جبکہ ان کے والد نواب احمد بخش خاں کا انتقال ہوا۔ والدہ ماجدہ اور برادر معظم نواب امین الدین احمد خاں کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔

تفسیر و حدیث مولوی کریم اللہ شاگرد حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ سے

---

[1] خمخانۂ جاوید و یادگار غالب

پڑھی۔ ادب و فقہ مفتی صدرالدین آزردہ شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے اور منطق و فلسفہ مولانا فضل حق خیرآبادی سے پڑھا۔ فارسی میں مرزا غالب سے استفادہ کیا۔

افسوس کہ نواب صاحب کا مجموعۂ کلام ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گیا امن ہونے کے بعد کچھ پرانے پرچوں اور مسخ شدہ مسودات سے اور کچھ حافظے پر زور دے کر قلمبند کیا گیا۔ جس کو "صحیفۂ زریں" کے نام سے ان کے چھوٹے صاحبزادے نواب احمد سعید خاں مرحوم اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و آنریری مجسٹریٹ دہلی نے ۱۹۱۶ء میں شائع کیا۔

حضرت مفتی صدرالدین صاحب آزردہ اور مولانا فضل حق خیرآبادی اور مرزا غالب اگرچہ نواب ضیاء الدین احمد خاں کے اساتذہ میں تھے مگر ان سے دوستانہ اور ہم جلیسی کے مراسم بھی تھے۔ مولوی فضل حق صاحب ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد بہ الزام بغاوت گرفتار کر کے رنگون بھیج دیے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ نواب صاحب موصوف نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے "فضل حق مرد" (۱۲۷۹ھ) اور اسی سنہ میں رنگون میں بہادر شاہ کا انتقال ہوا نواب صاحب نے مادۂ تاریخ کہا "خلد خوابگاہی" (۱۲۷۹ھ)۔

"صحیفۂ زریں" (یعنی مجموعہ کلام نیر رخشاں) پر جناب سائل نے بھی قطعہ تاریخ طباعت کہا ہے جو اس کے آخر میں شامل ہے

تقریباً ۱۸۵۵ء میں نواب صاحب موصوف نے دہلی کی آثار قدیمہ کی سوسائٹی میں ایک لکچر دیا تھا جس میں انھوں نے تاریخی واقعات سے یہ ثابت کیا تھا کہ قطب مینار مسلمانوں کا ہی بنایا ہوا ہے اور لکچر کے خاتمے پر کہا کہ اس سے زیادہ قوی ثبوت اور کوئی پیش

نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں کے مردے خود اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے کام کی خود تصدیق کریں۔[۱]

چونکہ نواب ممدوح اہل کمال ہونے کی وجہ سے اہل کمال کے عاشق تھے اور خصوصیت سے غالب سے ان کا خاص تعلق تھا۔ ان کی چچا زاد بہن امراؤ بیگم مرزا غالب سے منسوب تھیں وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ مگر زیادہ تر فارسی نظم و نثر لکھتے تھے۔ اور مرزا کے قدم بقدم چلتے تھے۔ مرزا نے جو ایک قصیدہ نہایت بلیغ و لطیف نواب ممدوح کی شان میں لکھا ہے اور جس میں ان کے استاد ہونے پر فخر کیا ہے اس کے کچھ اشعار مختلف مقامات سے التقاط کر کے یہاں لکھے جاتے ہیں :-

صد آفتاب تواں ساختن ببازیچہ — ز ذرہ کہ بود در ضیائے نیّرِ من

نہ ایں سپہر نہ ایں مہر عالمے دگر است — من آسمانم و او مہر نور گسترِ من

من آں سپہر کہ دائم چنانکہ مہر بماہ — بہ مہر نور دہد نیّر منورِ من

منم خزینۂ راز او دُرِ خزینۂ راز — ضیائے دین محمد کہین برادرِ من

بدین و دانش و دولت یگانۂ آفاق — بعمر کہتر و از روئے رتبہ مہترِ من

بمہر دل بہ برادر دہم نہ یعقوبم — کہ پور خویش بود دلستان و دلبرِ من

سخن سرائے نوآئیں نوائے را نازم — بنالہ ہم نفس من بہ شور ہم سرِ من

بہ نکتہ شیوۂ شاگرد من بہ من ماناست — صنم بصورت خود می تراشد آزرِ من

اگرچہ اوست ارسطو و من فلاطونم — بود بہ پایہ ارسطوئے من سکندرِ من

زمین کوئے مرا آسمان کند ہر صبح — طلوع نیر روشن ز طرف منظرِ من

اگر شوم بہ مثل آتشے شرارہ فشاں — شود بقاعدۂ ہمدم سمندرِ من

۱؎ واقعات دار الحکومت جلد سوم صفحہ ۱۸۵

بہ بحر گر فتدم رہ بود سفینۂ من | بہ تخت گر بودم لائے گرد افسر من
بہ مہر دوست دہم دل نشاط خاطر من | بہ کین خصم نہم رخ لوائے لشکر من
گرم ز غصہ تبہ گشتہ کار مونس من | درم ز کار فرو ماندہ دست یاور من
ز بے زروئے تو پیدا فروغ دانش و داد | بدیں فروغ جہاں تاب گشتہ اختر من
ز تو کہ آئینۂ فیض صحبت ازلی | ہوائے دیدن غالب فتادہ در سر من
مرا ستودی و گفتی کہ من از آن توام | فدائے آن تو بادا اقل و اکثر من
سعادت و شرف چوں منے بود ز کمال | نہ بس بود کہ بود چوں توئے ثناگر من

شجرۂ نسب مرزا غالب

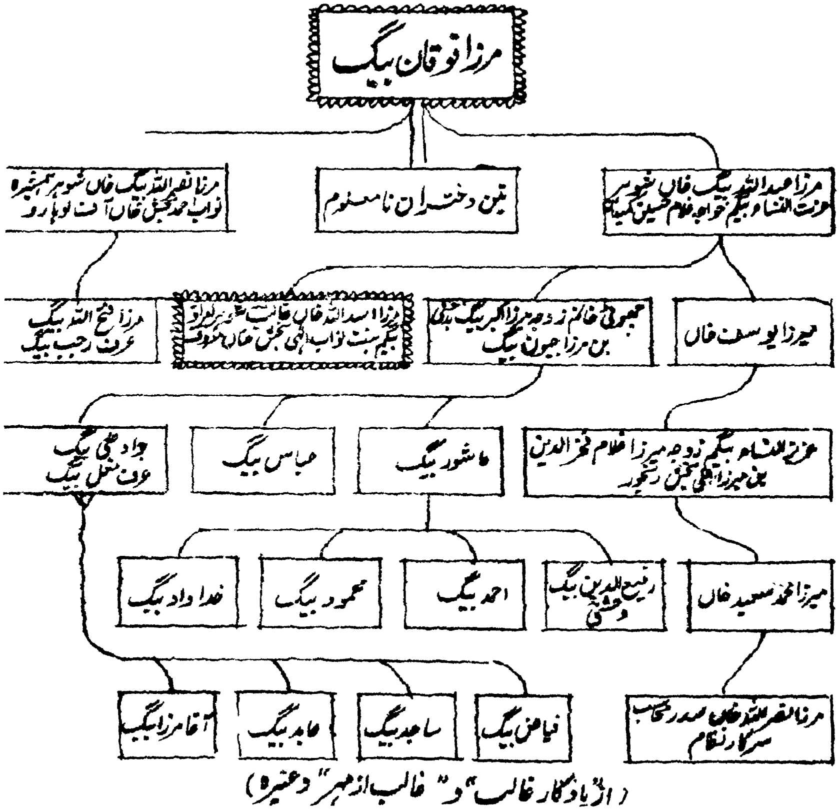

(از "یادگار غالب" و "غالب از مہر" وغیرہ)

نواب صاحب اور مرزا غالب کے تعلقات کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ غالب کی وفات کے بعد آٹھ سو روپے کا قرضہ نواب موصوف نے ادا کیا غالب کا فارسی دیوان پہلی مرتبہ نولکشور پریس میں نواب صاحب موصوف کے اہتمام سے ۱۸۶۱ء میں چھپا اور اس کا مسودہ شہاب الدین احمد خاں ثاقب (والد محترم حضرت سائل) نے منشی نولکشور کو بھیجا تھا۔ مرزا غالب کا تمام مجموعۂ تصانیف نواب صاحب موصوف کے پاس جمع تھا اور انھوں نے اس کی عمدہ مطلا جلدیں بنوائی تھیں[۲] مرزا غالب کی ایک فارسی تصنیف جس کا نام "دستنبو" ہے اس میں مرزا صاحب نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے حالات لکھے ہیں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ جب انگریزوں نے شہر کو فتح کر لیا تو عزت و ناموس کے خیال سے نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں اپنے اہل و عیال کو لے کر لوہارو کی طرف روانہ ہوئے مہرولی میں قیام کرتے ہوئے دوجانہ پہنچے وہاں کے رئیس حسن علیخاں بہادر نے ان کی بڑی مدارات کی۔ کمشنر دہلی نے دونوں کو واپس بلایا اور جواب طلب کیا،

---

[۱] یادگار غالب صفحہ ۹۳ [۲] غالب از مہر وغیرہ

جلد سوم لغات القرآن مع فہرست الفاظ

لغت قرآن پر عدیم النظیر کتاب جس کی دو جلدیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، یہ کتاب عوام و خواص، عربی داں، اردو داں، جدید تعلیم یافتہ اور قدیم تعلیم یافتہ ہر ایک کے لئے مفید ہے اور تمام طبقوں میں اس کی افادی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے صفحات ۳۲۲ قیمت للعہ روپے مجلد صہ روپے۔

صلح آمیز جواب پاکر کچھ تعرض نہ کیا اور قلعے میں قیام کی اجازت دی۔ دہلی میں ان کا مکان بالکل لٹ گیا تھا اور مہرولی کے قیام کے دوران میں بھی ان کا سامان خوب لٹا اور اسی میں مرزا غالب کا مجموعہ تصانیف بھی ضائع ہوگیا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد بڑی محنت اور جستجو سے جو کچھ مل سکا دوبارہ جمع کیا گیا۔[1]

اُستاد مرحوم (حضرت سائل) نے ایک واقعہ مجھ سے بیان کیا تھا عرصہ گذر جانے کی وجہ سے حافظہ پر زور دیکر لکھتا ہوں ایک مرتبہ اُستاد ذوق کابلی دروازہ کے قریب جہاں ان کا دولت خانہ تھا کسی جگہ پیشاب کرنے کے لیے بیٹھے اس اثناء میں ایک مصرع ذہن میں آگیا۔ پیشاب سے فارغ ہوکر استنجا سکھاتے ہوئے اور مصرع ثانی کی فکر کرتے ہوئے چل پڑے۔

اس قدر استغراق ہوا کہ چاندنی چوک، صدر بازار، سبزی منڈی ہوتے ہوئے اسی حال میں ملکدار خاں کے ترپولیہ تک پہنچ گئے اتفاق سے نواب ضیاء الدین احمد خاں اپنے باغ کی طرف سے اپنی بگھی میں شہر کی طرف آرہے تھے انھوں نے استاد ذوق کو سر شام اس جگہ دیکھ کر تعجب کیا، بگھی روک کر اُترے اور پکار کر کہا اُستاد آپ یہاں کہاں؟ اب استاد ذوق جاگے اور چاروں طرف دیکھنے لگے ڈھیلا پھینک کر کہنے لگے لاحول ولا قوۃ کہاں آگیا؟ پھر فرمایا کہ بھئی میں پیشاب کرتے بیٹھا تھا ایک مصرع ذہن میں آگیا تھا اس پر مصرع ثانی کی فکر کر رہا تھا۔ بڑی خیر ہوئی کہ تم نے دیکھ لیا ورنہ میں جانے کہاں پہنچ جاتا نواب صاحب نے ان کو اپنی بگھی میں بٹھا کر گھر پہنچایا اور حضرت ظفر بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے حضور کے استاد کی جان بچائی ہے مجھے اس کا انعام مطلوب ہے پھر پورا واقعہ حضور سلطانی میں عرض کیا گیا کافی دیر تک دلچسپی

---

[1] دستنبوئے غالب مطبوعہ لٹریری سوسائٹی پریس بریلی ۱۸۶۵ء

رہی۔ بادشاہ نے کئی بہنگیاں آموں کی اور کچھ خلعت وغیرہ نواب صاحب کو عطا فرمایا اور استاد کی جان بچنے کے شکریہ میں خیرات وغیرہ بھی کی نواب ضیاء الدین احمد خاں کا وہ باغ اب بھی موجود ہے اس کا نام "نور باغ" ہے یہ محلدار خاں سے تین میل کے فاصلے پر آزاد پور کے متصل ہے اس کے دروازے کے بائیں بازو پہ کتبہ لگا ہوا ہے [نور باغ ۱۲۵۹ھ] اب دلی کی آٹھویں بربادی میں نور باغ بھی نہ رہا (رہے نام اللہ کا) نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد اُن کی محل سرائے .... جو گلی قاسم جان میں ہے اور نور باغ معظم زمانی بیگم (عرف لگا بیگم) کے حصے میں آیا تھا ان کے بعد ان کی تین صاحبزادیوں جند بیگم، بندو بیگم، مجھن بیگم اور ان کی اولاد میں منتقل ہوا۔ اب اس میں جند بیگم زوجہ تابان مرحوم اور بندو بیگم زوجہ نواب بشیرالدین احمد خاں کے صاحبزادے سام مرزا اور خسرو مرزا وغیرہ اور مجھن بیگم زوجہ کرنل زیدا احمد کی اولاد اپنے حصے کے مطابق شریک ہیں نواب صاحب کی کوٹھی اور کتب خانہ اور نقد روپیہ اور کچھ مہرولی کی جائداد زمین وغیرہ نواب احمد سعید خاں کے حصے میں آئی تھی

نواب بشیرالدین احمد خاں

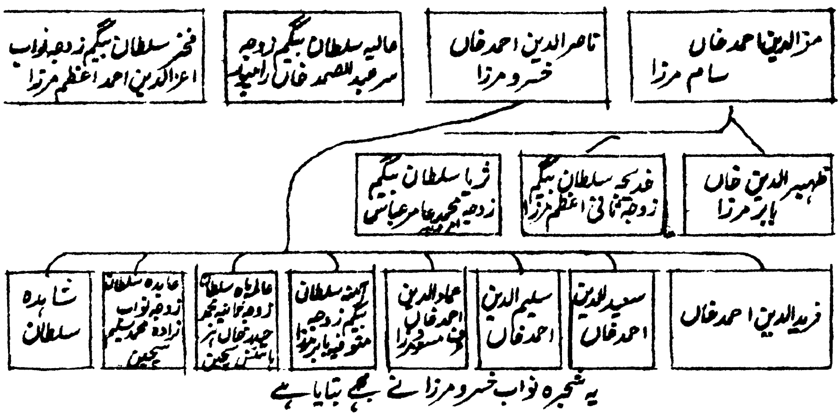

یہ شجرہ نواب خسرو مرزا نے مجھے بتایا ہے

نواب شمس الدین احمد خاں کے بعد جب ریاست لوہارو نواب امین الدین احمد خاں کے قبضے میں آئی تو ان دونوں بھائیوں میں اختلاف شروع ہوا دس بارہ سال کے بعد اکتوبر ۱۸۴۷ء میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نے دعویٰ دائر کیا فیصلہ یہ ہوا کہ ریاست تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ حسب دستور روپیہ ملتا رہے گا پھر روپیہ کی مقدار کے متعلق اختلاف ہوا اس کے نتیجہ میں بارہ ہزار روپیہ سالانہ کے بجائے اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ کر دیا گیا۔[1]

نواب ضیاء الدین احمد خاں کے انتقال کے چار پانچ سال کے بعد ۱۸۸۹ء میں یہ الاؤنس گھٹا کر بارہ ہزار روپیہ سالانہ کر دیا گیا جو بحصہ رسدی نواب سعید الدین احمد خاں اور اُن کے چار بھتیجوں اور نواب مرحوم کی چار بیگمات میں تقسیم ہوتا رہا۔

نواب صاحب کا انتقال سنہ ۱۳۰۲ھ م ۱۸۸۴ء میں ہوا مولوی رضی الدین احمد صاحب دہلوی نے قطعہ تاریخ کہا جو قبر پر کندہ ہے :-

چوں ضیاء الدین احمد خاں کشید رخت از دنیا سوئے دارالسلام

گفت ہاتف یا رضی سالِ وفات روز شنبہ سیزدہ شہر صیام
۱۳۰۲ھ

اور مہر دلی میں اپنے بھائی نواب امین الدین احمد خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔ دلی کی آٹھویں بربادی میں آثار قدیمہ کو بہت بری طرح برباد کیا گیا۔ نواب امین الدین احمد خاں کا مزار تو

---

[1] تاریخ رؤسائے پنجاب

خیمہ بچ گیا مگر نواب ضیاء الدین احمد خاں کا مزار توڑ پھوڑ دیا گیا۔ کرنل زیدا احمد (ذوالنور علی احمد) شوہر مہن بیگم کا مزار اور خوبصورت سنگ مرمر کا محجر وغیرہ بالکل ندارد ہو گیا یعنی زمین پر مٹی کا ڈھیر بھی نہیں دکھائی دیتا۔ (رہے نام اللہ کا)

نواب صاحب موصوف رشتے میں داغ کے چچا ہیں جب داغ کا دیوان گلزار داغ چھپا تو انھوں نے نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا نواب صاحب نے تقریظ لکھی:-

نازم آں نخلبند معنی را — کہ بیاراست از سخن صد باغ
گل رنگین باغ دل افروز — زرد خوشبوئے عطر بیز دماغ
روح نازک خیالی او را — باید آسوئے عرش جست سراغ
معنی نغز از دلش ریزاں — چوں مئے ناب از کنار ایاغ
کردہ مشکیں غزال مضموں صید — صفحۂ خاطرش ختن را داغ
جمع کردہ کلام روشن خویش — کہ شبستان فکر راست چراغ
ہر گہ از طبع تازہ اش دل خواہ — للہ الحمد دست داد فراغ
سال ختمش بخواں کہ ایں دیواں — زد بدلہا جدید سکہ داغ
ساخت ایں قطعہ نیر از دہلی — نزد نواب میرزا ابلاغ[1]

نواب صاحب موصوف کے متعلق سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں جو کچھ لکھا ہے اور مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی (استاد جناب سائل) نے ایک مدحیہ قصیدے میں جو کچھ اظہار عقیدت کیا ہے اس سے ان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے یہ خاصا

[1] صحیفۂ زریں صفحہ ۱۵۲

طویل قصیدہ ہے اس میں سے چند اشعار درج ذیل کرتا ہوں :۔

ساقیا عید است و خرم شد زمانِ آفتاب　　آفتابے با یدم اندر میانِ آفتاب
ہاں بہ بزم میکشاں ساغر خرامی کار تست　　بر فلک بیں دورۂ رطل گرانِ آفتاب
موج موج آب گلگوں بر بساطِ من فگن　　تا ز ہمّش لرزہ افتد بر روانِ آفتاب
آفتاب ار میہمان صبح عید میکشاں است　　صبح عید میکشاں بہ میہمانِ آفتاب
دشتہا بر فرق بر دارم ز جوشش نشۂ　　انگنم خاک خجالت در دہانِ آفتاب
چوں ازیں صہبا خمارم فرق بر بالا کشد　　مدحت ممدوح گویم از زبانِ آفتاب
مطلع روشن بخوانم در حضور منعمے　　آنکہ نورش بر فزاید عز و شانِ آفتاب
ایکہ رایت مظہر راز نہان آفتاب　　دیکھ رویت آفتاب اندر جہانِ آفتاب
اے ضیاء الدین احمد خاں بہادر نام تو　　آفتاب آسمان در آسمانِ آفتاب
تو ضیائی و ز ضیا مہر ست بالا در جہاں　　ذات پاکت کے تواں گفتن لبانِ آفتاب

ارزش از گوہر نکو باشد نہ از ارزش گہر
رفعت شانش فزوں تر از گمان آفتاب　　(صحیفۂ زریں)

نیرّاں کے انتقال پر مولٰنا شبلی نعمانی مرحوم نے جو انتہائی درد انگیز اور دل ہلا دینے والا مرثیہ کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں نواب صاحب کی ذات گرامی علم و فضل کے کس قدر بلند مقام پر تھی اور دنیائے ادب کو ان کے نہ ہونے سے کتنا عظیم نقصان برداشت کرنا پڑا۔

مرثیہ نواب ضیاء الدین خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ نیّر (۲۴ اکتوبر ۱۸۸۵ء)

گرم ہنگامہ شو اے نالۂ دل ہاں بخیز　　از پئے برہمی عالم امکاں برخیز

اے جنوں باز بتاراج گریباں برخیز　　　تو ہم اے آہ جہاں سوز لبساماں برخیز

چشم خوننابہ فشاں خواست چو طوفاں کردن

خون شو اے دل کہ تو الغم سروساماں کردن

آسماں حلقۂ ماتم شدہ چوں است وچہ ہست　　　دو جہاں اینہمہ درہم شدہ چوں ست وچہ ہست

اختراں دیدۂ پرنم شدہ چوں ست وچہ ہست　　　مہر داغ دلِ عالم شدہ چوں است وچہ ہست

شاہد روز بمرگ کہ ؟ بماتم بنشست

از چہ ؟ لیلائے شب آشفتۂ دود بہم بنشست

ہمچناں زخم جگر ہست نمک سود ہنوز　　　تا چہ ہست ایں کہ دل از نالہ نیاسود ہنوز

آتشے ہست ہمانا کہ رود دود ہنوز　　　اشک از دیدہ برآید جگر آلود ہنوز

فاش گویم کہ سخن گوئے زماں روئے نہفت

تیرہ شد دہر کہ تیر زجہاں روئے نہفت

آنکہ آراست زنو زلف پریشان سخن　　　آں طراز سخن آں یوسف کنعان سخن

آنکہ لعل وگہر افشاند بدامان سخن　　　آنکہ صد پایہ فزود از سخنش شان سخن

دو سہ روز است کہ از جام اجل مدہوش است

عالمے زد بسخن ماندہ داد خاموش است

شاعرے کز دم کلکش ہمہ جادو است سخن　　　آں گراں پایہ کہ دوں مرتبہ او است سخن

خواجہ او بود و تواں گفت کہ ہندو است سخن　　　فیض او بیں کہ بایں رنگ بایں بو است سخن

اینک از دست اجل جیب وجود ش چاک است

پایۂ فن بفلک بردہ و خود در خاک است

علم وفن را بجہاں داد گرے بود نماند نکتہ سنج سخن ودیدہ ورے بود نماند

در جہاں نخل ہنر را ثمرے بود نماند نظم را فائدہ او بال و پرے بود نماند

اے سخن گریہ بروز سیاہ ات باید کرد

اے ہنر رحم بحال تبہ ات باید کرد

شبلیا دست نہ در دامن ادراک بزن شیشہ صبر دریں حادثہ بر خاک بزن

اے جنون جیب مگر بیان خرد چاک بزن تو ہم اے نالہ سراپردہ افلاک بزن

گرنہ خوں گشتہ بمژگان ترم می آئی

آخر اے دل بچہ کار دگرم مے آئی (کلیات شبلی فارسی)

نواب صاحب موصوف کے دو فرزند تھے اول نواب مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب دوم میرزا سعید الدین احمد خاں طالب (عرف نواب احمد سعید خاں) اور ایک صاحبزادی تھیں معظم زمانی بیگم عرف بگا بیگم جو مرزا باقر علی خاں کامل ابن عارف کو منسوب تھیں۔

نواب میرزا سعید الدین احمد خاں طالب | (معروف بہ نواب احمد سعید خاں (دہلوی) ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے ۱۸۷۹ء میں سر رابرٹ ایجرٹن لفٹننٹ گورنر پنجاب نے آپ کو سرکاری ملازمت میں منتخب کیا۔ آٹھ سال تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے ترک ملازمت کے بعد میونسپل کمشنر بھی ہو گئے تھے ابتداء میں چند غزلیں مرزا غالب کو دکھائیں ان کے انتقال کے بعد اپنے بھائی حضرت ثاقب سے اصلاح لینے لگے پھر اپنے والد کے ایما سے میر مہدی مجروح کو کلام دکھایا۔[1] نہایت پابند وضع خوش رو خوش خو اور ذی علم بلند خیال شاعر تھے خمخانہ جاوید پر جو آپ نے تقریظ لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغات

---

[1] خمخانہ جاوید جلد پنجم